© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمن کیلانی

قسط ۳

دین طریقت یا رہبانیت

ایک آفاقی مذہب

رہبانیت میں کشش کی وجوہات

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایسے واضح احکام کی موجودگی میں رہبانیت نے اسلام میں کیسے راہ پائی۔ آخر رہبانیت میں وہ کیا کشش اور جاذبیت ہے کہ لوگ شرعی احکام اور حدود کو پھلانگ کر اس میں جا داخل ہوئے۔ یہ کہنا سراسر غلط ہوگا کہ قرآن و حدیث میں زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں جو ارشاد پائے جاتے ہیں وہ رہبانیت کی بنیاد ہیں۔ کیونکہ ان ارشادات کو سمجھنے والے سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر صحابہ کرام تھے لیکن ان میں ایسی رہبانیت کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا تھا۔ بلاشبہ دنیا اور اس کے مال و اسباب سے بے رغبتی دین کا ایک حصہ ہے لیکن یہ پورا دین نہیں۔ معاشرتی، معاشی اور عائلی حقوق کی ذمہ داریاں جو زندگی کا نہایت ہی اہم حصہ ہیں ان ترغیبی ارشادات سے ساقط نہیں ہو سکتیں۔ رہبانیت کو اختیار کرنے کے اسباب کچھ اور ہی ہیں جو ہمارے خیال کے مطابق درج ذیل ہیں:-

۱۔ زہد اور رہبانیت (تصوف) میں فرق

زہد ایک اسلامی عقیدہ ہے اور اس سے مراد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ دنیا کی محبت کو دل میں جاگزین نہ ہونے دیا جائے۔ عیب کی بات حصول دنیا نہیں بلکہ حُبِ دنیا ہے لیکن تصوف کا زہد یہ ہے کہ نفس کو اذیتوں سے ہمکنار کیا جائے۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اور دنیوی تعلقات سے منہ موڑ کر مجاہدہ اور ریاضتوں اور چلہ کشیوں میں مشغول رہا جائے تاکہ غیب کے پردوں سے کشف حاصل ہو۔ یہ تصوف فلسفہ ہی کی ایک شکل ہے جس کا وحی یا انبیاء کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ فلسفہ اسلام سے مدتوں پہلے ہندوستان اور یونان میں پایا جاتا رہا ہے۔ اس فلسفہ کا ماحصل یہ ہے کہ کائنات میں صرف اللہ کا وجود ہے۔ ہر چیز خدا ہے، انسان بھی خدا ہے۔ اور خدا بھی انسان ہے۔ پھر اسی کشفی عقیدہ نے کئی صورتیں اختیار کی ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر آئندہ اس کتاب میں آئے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ روحانی ترقی یا آئینۂ باطن کی صفائی :- اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا کے جھمیلوں میں پھنس کر کبھی یکسوئی کے ساتھ روحانی ترقی نہیں کی جا سکتی۔ ان کے خیال میں روحانی ترقی کا کوئی ایسا راستہ نہیں جو دنیا کے اندر سے ہو کر جاتا ہو۔ لہٰذا "درویش" قسم کے لوگوں نے اسے نیکی سمجھ کر اختیار کر لیا۔ حالانکہ اسلام نے ایسی روحانی ترقی اور رہبانیت ہی کو مردود قرار دیا ہے۔ اسلام صرف ایسی روحانی ترقی کا قائل ہے جس کا راستہ دنیا کے اندر سے ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ یہ روحانی ترقی تھوڑی ہو یا بہت سب کچھ مقبول ہے لیکن شریعت کے حدود کے اندر رہ کر ہونی چاہیے۔ اور اگر کوئی مسلمان زندگی کی بنیادی اور اہم ذمہ داریوں یا عبادت کو پس پشت ڈال کر ایسی روحانی ترقی کرتا ہے تو اس کی حیثیت ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی اور ایسی رہبانیت کو اسلام نے مردود قرار دیا ہے۔

یہ روحانی ترقی خواہ شرعی طریق سے ہو یا غیر شرعی طریق سے نتیجۃً انسان کا دل آئینہ کی مثل بن جاتا ہے۔ ایسے لوگ جب توجہ کریں تو اپنے مخاطب کے دل کے احوال سے کسی نہ کسی حد تک مطلع ہو جاتے ہیں۔ یہی ان کی غیب دانی اور کرامت ہوتی ہے جو عوام کے لیے بڑی باعث کشش ہوتی ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو عوام پر حکومت کرنے اور ان پر دھاک بٹھانے اور خدائی منوانے کا ایسا موقع ہاتھ آ جاتا ہے جو عام حالات میں ناممکن ہوتا ہے اور دنیوی منفعت کے لحاظ سے ان کی دکان ایسی چمکتی ہے جو عام حالات میں ان کی ریاضت و مجاہدہ سے بدرجہا زیادہ محنت اور جد و جہد کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

تو جس طرح سلطان لوگوں سے اپنے مالی حقوق ٹیکسوں کی صورت میں وصول کرتا ہے یہ لوگ نذر و نیاز اور چڑھاووں کی صورت میں وصول کرتے ہیں بلکہ اس لحاظ سے پیر سلطان سے بڑھ جاتے ہیں کہ سلطان کی حکومت تو محض اجسام پر ہوتی ہے لیکن یہ لوگ دلوں میں اپنی دھاک بٹھاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- کشف و مشاہدات:- اسی تصفیہ قلب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ عالم ارواح یا رجال الغیب سے اپنا تعلق قائم کرکے چلّہ کشی کے ذریعہ انھیں قابو میں لاتے، قبروں پر معتکف ہوکر صاحب قبر کی روح سے ملاقات کرتے، ان کے احوال معلوم کرتے اور غیب کی خبریں حاصل کرکے لوگوں کو بتلاتے ہیں۔ اگرچہ ان میں بیشتر کام شیطانی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن عوام کیا خواص العوام میں اتنی تمیز نہیں ہوتی کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ سکیں۔ یہ مقام انھیں عوام میں اور بھی زیادہ باوقار اور پُرہیبت بنا دیتا ہے۔

۳- مشاہدہ حق:- یہ بات ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ ان لوگوں پر کچھ نہ کچھ تجلی ہوتی ضرور ہے۔ خواہ وہ شیطان کی طرف سے ہو یا رحمان کی طرف سے۔ اور اس تجلی میں کیف و سرور بھی ہوتا ہے بعض لوگ اسی مستی کی کیفیت کے حصول کے لیے بھی یہ راستہ اختیار کرتے ہیں۔ پھر اس کیفیت کے حصول کے لیے اتنے بے تاب ہوجاتے ہیں کہ سماع و رقص جیسے مصنوعی طریقوں سے اپنے آپ پر یہ کیفیت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴- معاشرتی ذمہ داریوں اور شرعی تکالیف سے نجات:- یہ لوگ چونکہ اپنے آپ کو خود بھی خدائی صفات کے حامل اور کوئی بالاتر مخلوق سمجھنے لگتے ہیں لہذا یہ اپنے معتقدین سے خدا کی بجائے اپنی پرستش کرانا شروع کر دیتے ہیں۔ پرستش سے ہماری مراد پوجا پاٹ نہیں بلکہ حاجت روائی، مشکل کشائی اور نذر و نیاز وغیرہ ہیں۔ پھر کسی کی کیا مجال کہ کہ وہ پیر صاحب کی معاشرتی ذمہ داریوں کی عدم ادائیگی پر معترض ہو۔ یا ان سے خلاف شرع اعمال و افعال سے متعلق کچھ کہہ کر راندۂ درگاہ بن جائے۔

بعض حضرات سُکر کی حالت میں شرعی تکالیف کے رفع ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح کوئی بے ہوش یا دیوانہ آدمی ــــ جب تک کہ وہ اس حالت میں رہے ــــ شرعی احکام کا پابند نہیں ہوتا۔ اسی طرح صاحب وجد و حال پیر سے بھی شرعی تکالیف اٹھالی جاتی ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ دلیل بنائے فاسد علی الفاسد سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ وجہ یہ ہے کہ عام آدمی کی دیوانگی یا بے ہوشی اضطراری یا خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ جب کہ ان لوگوں کی یہ محویت خود پیدا کردہ بدعت ہے جس کا سنت رسولؐ اور آثار صحابہؓ سے کوئی سراغ نہیں ملتا۔ تو پھر اس اختیاری محویت پر اضطراری کیفیت کو منطبق کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵- **شعبدہ بازیاں:** ان لوگوں میں ایک کثیر طبقہ ایسا بھی ہے جو نہ تو صاحب دل ہوتا ہے نہ صاحب حال۔ وہ محض اپنے لباس اور ہیئت کی تبدیلی سے ہی اس عالم رہبانیت کے معزز رکن تصور کیے جاتے ہیں۔ جیسے اکثر گدی نشین، مجاور اور ان کے خلیفے۔ یہ لوگ محض شعبدہ بازیوں سے عوام پر اپنی خدائی کی دھاک بحال رکھتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کو رفاعی فرقہ کے شعبدہ باز پیروں سے سابقہ پڑا تھا۔ یہ لوگ سیاہ کپڑا پہنتے، ہاتھوں اور گلے میں لوہے کے کڑے یا طوق پہنتے تھے۔ آگ میں کود جاتے اور انگاروں سے نیز سانپوں سے کھیلتے تھے اور یہی ان کے اہل حق ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ نماز روزہ اور دوسرے شرعی احکام سے غافل اور بے پروا تھے۔ اطراف واکناف میں ان کے بے شمار معتقدین پھیل گئے تھے۔ امرائے سلطنت پر بھی ان لوگوں کا اثر تھا۔

امام موصوف نے ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ یہ لوگ محض شعبدہ باز ہیں اور رجال غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے مشتعل ہو کر حاکم وقت امیر افرم سے شکایت کی۔ امیر افرم نے فریقین کو بلا لیا اور طے یہ پایا کہ فریقین آگ میں کود جائیں۔ پھر جو جل جائے گا وہ جھوٹا اور جو بچ کر نکل آئے گا اسے سچا سمجھا جائے گا۔

امام موصوف نے یہ فیصلہ منظور کر لیا مگر شرط یہ لگا دی کہ فریقین آگ میں داخل ہونے سے پہلے سرکہ اور گرم پانی سے خوب بدن مل کر نہا لیں۔ امیر افرم نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ یہ لوگ مینڈک کی چربی، نارنج کے اندرونی چھلکے اور طلق کے پتھر وغیرہ پیس کر اپنے بدن پر مل لیتے ہیں جس وجہ سے آگ کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔

امیر افرم نے امام صاحب سے پوچھا کہ اگر یہ لوگ غسل کرنے کی شرط مان جائیں تو آپ آگ میں کودنے کو تیار رہیں؟ اس وقت امام صاحب نے جو جواب دیا وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ جو آپ کے اللہ پر توکل، عزم راسخ اور پختگی ایمان کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ہاں! میں نے خدا سے استخارہ کیا ہے اور میرے دل میں بات ڈال دی گئی ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں بھی آگ میں کود جاؤں۔ اور اگر ایسا کروں گا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں سے اس قسم کے خوارق عادات کا ظہور کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور ہمیشہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے رموز واشارات اور خوارق عادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کو باطل کرنا چاہتے ہیں تو ہم پر فرض ہے کہ اس کی حمایت میں اپنے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ خدا ہم کو ضرور ایسی نشانیاں عطا فرمائے گا جن سے ہم ان کے خوارق عادات کا بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔

جب رفاعیہ کے پیروں نے امام موصوف کی یہ شرط اور ایسا جواب سنا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور صلح کی درخواست کی کہ اس معاملہ کو یہیں پر ختم کر دیا جائے اور معافی مانگ لی اور کہا آئندہ ہم بدعتوں کو چھوڑ کر شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے۔ (امام ابن تیمیہؒ۔ مرتبہ پروفیسر محمد یوسف کوکن۔ مدراس یونیورسٹی ص۱۵۵ تا ص۱۶۱) اور (تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم۔ مرتبہ حسن علی ندوی ص۵۹)

عوام میں رہبانیت کی مقبولیت کے اسباب

۱۔ غیب کے حالات سے دلچسپی تصفیہ باطن کی بنا پر اگر پیر کسی کو اس کے دل کے حال سے مطلع کر دے تو یہ اس کے لیے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اور یہی اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل سمجھی جاتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان ہندو جوگیوں، سادھوں اور عیسائی راہبوں کے بھی معتقد ہوتے ہیں۔ پھر کچھ پیر ایسے ہوتے ہیں جو کسی بھی مذہب کے پیرو نہیں ہوتے تاہم ان کی اولیائی شک و شبہ سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔ جیسا باگورو نانک جس کی وفات پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ جھگڑا پیدا ہو گیا کہ کون اس کی "گنگ باشی" کے فرائض انجام دے یا باباگورا ندتہ جس کا مزار مسلمانوں کے لیے مرجع خواص و عام بنا ہوتا ہے۔ یا مادھولال حسین وغیرہ۔

۲۔ خوارق عادات امور ان کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ معجزہ، کرامت اور استدراج یا شعبدہ بازی۔

انبیاء سے اگر ایسے واقعات کا صدور ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں لیکن قرآن نے اس کے لیے بھی معجزہ کی بجائے "آیت یا نشانی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ پھر یہ معجزات بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو باطل کے مقابلہ میں احقاق حق کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کو عطا فرماتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا یا حضرت عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا اور بعض دفعہ ایسے معجزات کفار کے مطالبہ کی بنا پر انبیاء کو عطا کیے جاتے ہیں جیسے صالحؑ کی اونٹنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ظہور اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انشقاق قمر کا ظہور۔ ایسے معجزات چونکہ انبیاء کی حقانیت کو ثابت کرنے اور کفار کو لاجواب کر دینے کے لیے عطا کیے جاتے ہیں۔ لہذا ایسے واقعات کا صدور غیر نبی سے ناممکن ہوتا ہے۔ ایسے واقعات کا عندالضرورت نبی دعویٰ تو کر سکتا ہے لیکن اس کی نسبت ہمیشہ خدا کی طرف ہی کرتا ہے اور یہ معجزات نبی کو نبوت کے ابتدائی دور میں عطا کیے جاتے ہیں جبکہ باطل زوروں پر ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے معجزات دیکھنے کے بعد بھی کفار کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

معجزات کی دوسری قسم وہ ہے جو اولیاء کی کرامت سے بہت حد تک مشابہت رکھتی ہے اور انھیں معجزہ صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا صدور نبی سے ہوتا ہے۔ ان کا نبی کو پہلے سے کوئی علم نہیں ہوتا اور یہ عموماً کسی اشد دینی یا دنیوی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے عطا کیے جاتے ہیں تاکہ حق یا اہل حق کی مدد کی جا سکے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا پر عصا مارنا اور اس سے دریا کا پھٹ کر سڑک کی مانند راستہ بن جانا۔ یا حضرت ایوب علیہ السلام کا زمین پر پاؤں مارنے سے چشمہ اُبل پڑنا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے وقت کفار کی طرف ریت کی مٹھی پھینکنا اور اس سے کفار کا اندھا ہو جانا۔ ایسے معجزات یا تائید غیبی کا نبی کو نہ پہلے سے علم ہوتا ہے نہ ہی وہ اس کا دعویٰ کر سکتا ہے، کیونکہ انبیاء اوقات نبی کی شدید دینی یا دنیوی ضرورت کے باوجود بھی انبیاء کو ایسی غیبی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں مدتوں پریشان رہنا حالانکہ وہ پاس ہی کنوئیں میں پڑے تھے۔ یا خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ افک کے معاملہ میں ایک ماہ تک پریشان رہنا۔

اس دوسری قسم کے معجزات کا صدور اگر کسی حامل شریعت بزرگ سے ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کا پورا پابند ہو اور اسے نہ تو کسی ایسے واقعہ کے صدور کا دعویٰ ہو اور نہ پہلے سے علم ہو۔ پھر جب کبھی ایسے واقعہ کا صدور ہو جائے تو اس بزرگ پر لازم ہے کہ اسے محض اللہ کی مہربانی اور تائید غیبی سمجھے اور اس واقعہ کی اپنی بزرگی جتانے کی خاطر تشہیر نہ کرے۔

اور جو لوگ علی الاعلان ہتھیلی پر سرسوں جما کر دکھا دیتے ہیں کہ ادھر ہاتھ بڑھایا ادھر انگور کا خوشہ ہاتھ میں آ گیا اور اسے اپنی بزرگی کے طور پر پیش کرتے ہیں تو یہ خالص شیطانی عمل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسے اصطلاحِ عام میں استدراج کہتے ہیں۔ یہ کرامت نہیں بلکہ شعبدہ بازی ہے۔ ان لوگوں کا تعلق رجالِ غیب سے ہوتا ہے اور بعض دفعہ مکر و حیلہ سے کام لیا جاتا ہے۔

یہ تو خیر معجزہ، کرامت اور استدراج کے فرق کی ایک ضمنی بحث چل پڑی۔[1] مقصد یہ ہے کہ ہر طرح کے خوارقِ عادت امور میں عوام کے لیے بے حد کشش ہوتی ہے بلکہ ان کے نزدیک اصل معیار ہی یہ خوارقِ عادات امور ہیں۔ اس لیے جہلا کی اکثریت عموماً ایسے لوگوں کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

۳۔ تصرف کا عقیدہ تصرف کا تعلق محض ان معتقدین سے ہے جو ایسے بزرگوں کی کرامات دیکھ کر کشاں کشاں ان کے دربار میں حاضر ہو جاتے ہیں اور ان کے مرید یا چیلے بن جاتے ہیں۔ ان سے غیر مشروط اطاعت پر عہد و پیمان باندھے جاتے ہیں اور ان کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے جو بزرگ ایسے مافوق العادت امور پر قادر ہے وہ ان کی بگڑی کو سنوار بھی سکتا ہے اور ان کی حاجات پوری کرنے کی بھی استعداد رکھتا ہے پھر جب کسی مرید کو تجربہ کی بنا پر اس کا یقین ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کا یہ یقین راسخ عقیدہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے حتٰی کہ ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ ہر مرید اپنے آپ کو اپنے پیر کے تصرف کی زنجیروں میں جکڑا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام مشیت ایزدی کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتا۔ نہ تو کوئی ایسا انسان پایا جاتا ہے جس کی تمام آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہو جائیں۔ اور نہ ہی ایسے آدمی کا وجود ممکن ہے جس کی کوئی کبھی تمنا پوری نہ ہوئی ہو۔ اب اگر کسی پیر یا بزرگ کے وسیلہ سے بھی کوئی حاجت پوری ہوتی نظر آتی ہو تو وہ خدا کی مشیت ہی کی وجہ سے پوری ہوتی ہے جس کو یہ مرید اپنے پیر کا تصرف سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مرید اپنے پیر کی بزرگی اور عوام میں رہبانیت کو ہر دلعزیز بنانے میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔

۴۔ سستی نجات کا عقیدہ جب پیر اور مرید اسی تصرف کے عقیدہ کی بنا پر معبود اور عبد کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو نہ تو پیر اپنے آپ کو

[1] یہی بحث مزید تفصیل سے کراماتِ اولیاء اللہ میں آئے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرعی احکام کا پابند رہنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور نہ ہی مریدمیں یہ جرأت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے پیر کے غیر شرعی اعمال و افعال پر کچھ گرفت کر سکے۔ پھر بات یہیں تک محدود نہیں رہتی۔ یہ پیر اپنے مریدوں کو یہ بھی ذہن نشین کراتے ہیں کہ جیسے اس دنیا میں انھیں تصرف و اقتدار حاصل ہے ویسے ہی انھیں اخروی زندگی میں بھی حاصل ہوگا۔ مرید پر شرعی احکامات کی پابندی کی بجائے پیر کی غیر مشروط اطاعت اور نذر و نیاز کے ذریعے اس کی رضا اور خوشنودی ہی لازم ہے۔۔ رہا اخروی نجات کا معاملہ تو ان مریدوں کی شفاعت کر کے بہشت میں لے جانا ان پیروں کی ذمہ داری ہے

اب مریدوں نے یہ سمجھا کہ سال میں صرف چند بار پیر صاحب کی قدم بوسی، نذر و نیاز دینے یا ان کے نام پر چڑھاوے چڑھانے سے اُخروی زندگی میں نجات کی ذمہ داری ملتی ہے اور شرعی حدود و قیود کے جھنجھٹ سے بھی چھٹکارا ہو جاتا ہے تو اس سے زیادہ سستا اور کیا سودا ہو سکتا ہے؟ اُس "سستی نجات" کے عقیدہ نے بھی جہاں پیروں فقیروں کے کاروبار کو چار چاند لگائے وہاں عوام میں رہبانیت کو مقبول بنانے میں کافی فروغ بخشا

۵۔ مریدانِ باصفا کا کردار

مشہور مقولہ ہے۔ ع پیراں نمی پرند و مریداں ہمی پرانند۔ یعنی پیر خود اڑ کر کسی بلند مقام پر فائز نہیں ہوتے بلکہ مرید انھیں اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ چونکہ ان مریدان خاص کا مفاد بھی پیر صاحب سے وابستہ اور مشترک ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کاروبار کو چلانے کا اصل ذریعہ یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اکثر کرامتیں اور شعبدہ بازیاں انھیں کے ہاتھوں اور انھیں کے مکر و حیلہ سے انجام پاتی ہیں۔ پھر یہی لوگ "پراپیگنڈا سیکرٹری" کے فرائض سرانجام دینے پر مامور ہوتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ پیر صاحب کی چھوٹی سی کرامت کو بڑھا چڑھا کر لوگوں میں پھیلائیں۔ یا خود کسی کرامت کا افسانہ وضع کر کے اس کی تشہیر کریں اور ظاہر ہے کہ پراپیگنڈہ خواہ کیسی ہی غلط بات کا کیوں نہ ہو اپنا اثر دکھلا کے رہتا ہے۔

۶۔ مرنے کے بعد بھی تصرف کا عقیدہ

ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان بزرگوں پر موت بس ایک آن کے لیے وارد ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کی روحیں مریدوں کی دعائیں سننے اور ان کی حاجت برآری میں مشغول ہو جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اب وہ پہلے سے زیادہ تصرف رکھتی ہیں۔ کیونکہ اب وہ عالمِ ارواح میں ہیں اور باطنی اسباب پیران کا تصرف، پہلے سے زیادہ ہے۔ یہیں سے ندا لغیر اللہ کے عقیدہ کی ایجاد ہوئی۔

اسی عقیدہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگرچہ یہ روحیں اپنے ہر مرید کی ہر جگہ سے فریاد سنتی ہیں اور حاجت برآری کرتی ہیں تاہم ان کی قبر سے ان کی روح کا سلسلہ نسبتاً زیادہ قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا قبروں سے نسبتاً حاجت برآری اور مشکل کشائی کا بھی زیادہ امکان ہے۔ اس عقیدہ نے دینِ طریقت، یا رہبانیت کو لازوال شہرت بخشی۔ قبروں کو آباد رکھنے کے لیے سربفلک قبّے تعمیر کیے گئے۔ کیونکہ یہاں سے تا قیامت، حاجت برآریوں اور مشکل کشائیوں کی ضرورت تھی۔ پھر نئے پیروں کے مزارات سے ان میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کی نگہداشت کے لیے مجاوروں اور گدی نشینوں اور خلیفوں کی ایک فوج ظفر موج پیدا ہوگئی۔ نذر و نیاز اور چڑھاووں کا دائرہ وسیع ہوا۔ مجاوروں اور گدی نشینوں کے وارے نیارے ہوگئے۔ دنیا کا بھی وافر حصہ مل گیا اور دین بھی ہاتھ سے نہ گیا۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کی اور کیا خوش بختی ہو سکتی تھی۔ پھر اس کاروبار کو مزید وسعت دینے کے لیے سالانہ عرسوں یا جلسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تاکہ مریدوں سے باقاعدہ سالانہ نیازیں وصول کی جا سکیں۔ اور ان عرسوں کو حج کا درجہ دیا گیا اور وہاں وہ تمام ارکان ادا کیے جانے لگے جو حج کے موقعہ پر ادا کیے جاتے ہیں۔ مثلاً دعا، نداء، طواف اور سعی وغیرہ۔ ان مزاروں کی بھی زمین حرم کی حدود مقرر کی گئیں۔ وہاں روشنی، صفائی اور غلاف وغیرہ کا بھی اسی طرح اہتمام ہونے لگا جس طرح بیت اللہ کا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض عالموں نے "مناسک حج المشاہد"[1] جیسی کتابیں لکھ کر ان سب مناسک کا شرعی جواز بھی ثابت کر دیا۔ پھر معاملہ اس سے بھی آگے بڑھا۔ اب یہ بھی ضرورت نہ رہی کہ قبر میں کوئی ولی یا کوئی عام انسان دفن ہو۔ گدھوں اور گھوڑوں کی ہڈیوں اور عام لکڑیوں پر مزارات تعمیر ہونا شروع ہوگئے تو وہ بھی مرجع خاص و عام بن گئے۔ وہاں سے بھی لوگوں کی حاجتیں پوری ہونی شروع ہوگئیں۔ وہاں بھی سب کچھ ہونے لگا جو ایک "بزرگ" کی قبر پر ہوتا تھا۔ اور ایسے

---

[1] ایک شیعہ عالم ابو عبداللہ محمد بن نعمان الملقب بالمفید کی اسی نام کی ایک مستقل تصنیف ہے جس میں بہت سی بے سروپا روایات درج ہیں۔ (الرد علی البکری ص ۲۹۵ ابن تیمیہؒ (تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم ص ۱۹۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعات اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے تاریخی حوالہ دینے کی ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیا اس سے زیادہ بھی انسانیت کی تذلیل ہو سکتی ہے؟

مزارات، آستانوں اور بعض دفعہ زندہ پیروں سے ایسی کرامات کے ظہور کے متعلق امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"بعض لوگوں نے اپنے شیخ کی دہائی دی اور ان کو ان کی صورت نظر آئی اور بعض دفعہ انھوں نے اس کا کوئی کام بھی کر دیا اس سے ان کو یہ عقیدہ ہوا کہ شیخ خود آئے، یا یہ کوئی فرشتہ تھا جو ان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور یہ ان کی کرامت ہے۔ اس سے اس کا مشرکانہ عقیدہ اور راسخ ہو جاتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں کہ اس طرح کی باتیں اور معاملات شیاطین بت پوجنے والوں کے ساتھ بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان بت پرستوں کے سامنے اکثر ظاہر ہوتے ہیں اور بعض غیبی باتیں ان کو بتلاتے ہیں اور ان کے بعض مطلب بھی پورے کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب امور وہ ہیں جن کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ تھا۔"

(تفسیر سورۂ اخلاص ص۱۱۸)

ایک دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف صالحین تک محدود نہیں بلکہ ستارہ پرستوں کو ایسے ہی احساسات اور فتوحات حاصل ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"جو لوگ کواکب سے دعا کرتے ہیں ان پر ایسی صورتیں نازل ہوتی ہیں جن کو کواکب کی روحانیت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو اس کے شرک کی بنا پر اس کو گمراہ کرنے کے لیے نازل ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض اوقات شیاطین بتوں اور مورتیوں کے اندر گھس جاتے ہیں۔ وہ بعض اوقات لوگوں سے باتیں کرتے ہیں اور بعض اوقات مجاوروں اور پوجا پاٹ کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔" کتاب النبوات ص ۲۷۴ و بحوالہ تبصرہ ۲۱۶)

ان مزارات میں دمبدم اضافے اور عوام کے اس طرف رجحان کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد کی رونق مزارات کی طرف منتقل ہونا شروع ہو گئی۔ مسجدیں بے آباد ہوئیں اور مزارات پر عوام کا ہجوم بڑھنے سے اس دین طریقت کو بہت تقویت ملی۔

بتوں کی کرامات | اہل عرب جاہلیت کے زمانہ میں اپنے بتوں سے باتیں سنتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو احمد حسن بن عبداللہ عسکری نے اپنی کتاب میں ابو مسکین سے با سند لکھا ہے کہ حضرموت میں جُلسُدنامی ایک بُت تھا جس کو اہلِ کندہ و حضرموت پوجتے تھے۔ اس کے مجاور بنی شکامہ بن شبیب تھے جو کندہ کی نسل سے تھے۔ پھر بنو علاق مجاور بنے۔ اخزر ابن ثابت مجاورت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ اس بت کی باقاعدہ ایک چراگاہ تھی جس میں اس کی بکریاں اور دوسرے جانور چرتے اور پلتے تھے۔ اگر کسی اور کی بکریاں اس میں چرلیتیں تو وہ اپنے مالکوں پر حرام ہو جاتیں۔ وہ سفید پتھر سے بنا ہوا بڑے قد کاٹھ کے انسان کی شکل کا بت تھا اس کے اوپر والا حصّہ سر کی مانند سیاہ تھا۔

اخزر نے بیان کیا کہ ایک دن جب میں جُلسُد کے پاس تھا بنی الاہری بن مہرہ کے ایک شخص نے اس بُت کے لیے ایک جانور ذبح کیا۔ اچانک ہم نے بادل کی گرج جیسی آواز سنی ہم نے دھیان سے سنا تو یہ آواز آرہی تھی۔

شعار اھل عدم، اِنّہٗ قضاء حتم۔ ان بطش سھم فتقد فاز سھم۔

مُردوں کی مخصوص بات یہ ہے کہ وہ (مرنا) قطعی فیصلہ ہے اگر تیر پوری قوت سے لگے تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔

ہم نے کہا ہمارا سب بہت خوبصورت اور کو رہا ہے۔ بُت سے پھر آواز آئی۔

نَاءَ نجمُ العِراقِ یا اَخزرَبنَ علاق هل اَحْسَسْتَ جمعًا عمًّا فَعَدَدا جَمًّا یھوی من الیمن والشام الی ذاتِ الآجام۔ نوّرا کلّ انظلام اَفَلَ وملك انتقل مِنْ مَحلٍ الی محلٍ۔

اے اخزر بن علاق! عراق کا ستارہ غروب ہو گیا، کیا تو نے ایک عام لشکر کو محسوس کیا ہے جو جم غفیر کی شکل یمن و شام سے قلعوں والے علاقے پر حملہ آور ہو گا۔ روشنی پھیل جائے گی اور اندھیرا ختم ہو جائے گا اور بادشاہی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے گی۔

پھر وہ بت خاموش ہو گیا۔ ہم نے کہا لا محالہ یہ صورتِ حال پیدا ہو کر رہے گی۔ جب اگلا سال آیا تو بُت کی جو آواز ہم سنا کرتے تھے وہ نہ آئی اور دیر کر دی۔ ہمیں بدگمانی پیدا ہوئی۔ ہم نے قربانی کی اور سُنا کہ اس کے اندر سے ملتی کیا...قبل از یں ہمارا یہی طرزِ عمل ہوتا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچانک پھر آواز آئی۔ ہم نے کہا۔ اے ہمارے رب! ہر صبح کو ہمارے ساتھ گفتگو کیا کرو۔ کرتی تجھے روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ ہم تیرے غضب سے پناہ مانگتے ہیں اور تیرے درگزر کا سہارا چاہتے ہیں۔ اچانک تبت سے پھر آواز آئی اور کچھ مسجع کہنے کے بعد پھر خاموش ہوگئی اور اس کا چرچا یمین کے مختلف صوبوں کے قبائل میں ہونے لگا۔

لوگوں نے ضمار بُت سے بھی باتیں سنی تھیں۔ یہ بنی سلیم کا بُت تھا۔ جب مرداس مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹے عباس کو کہا۔ اے بیٹے! ضمار کی عبادت کرو۔ تیرا نفع نقصان اس کے اختیار میں ہے۔ عباس بن مرداس کہتے ہیں کہ ہم اس کی عبادت کرتے تھے اور اس سے باتیں سنا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے اس کے آس پاس جھاڑ دیا پھر اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کے پیٹ سے ایک چیخ سُنی ؎

قُلْ لِلْقَبَائِلِ مِنْ قُرَيْشٍ كُلِّهَا هَلَكَ الضِّمَارُ وَفَازَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ

قریش کے قبائل سے کہہ دو کہ ضمار ہلاک ہوگیا اور اہل مسجد کامیاب ہوئے

هَلَكَ الضِّمَارُ وَكَانَ يُعْبَدُ مُدَّةً قَبْلَ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

جو ضمار مدت سے پوجا جاتا رہا وہ محمدؐ پر صلوٰۃ سے قبل ہلاک ہوچکا ہے

اِنَّ الَّذِيْ وَرِثَ النُّبُوَّةَ وَالْهُدٰى بَعْدَ ابْنِ مَرْيَمَ مِنْ قُرَيْشٍ مُهْتَدٍ

جو ذات اقدس ابن مریم کے بعد نبوت و ہدایت کی وارث بنی ہے وہ قریش کا ہدایت یافتہ شخص ہے۔

عباس کہتے ہیں۔ میں بنی حارثہ کے لوگوں کی معیت میں مدینہ منورہ میں نبی کریمؐ کے پاس مسجد میں پہنچ گیا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا! اے عباس! تیرا اسلام کس طرح ہے؟ میں نے پورا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ تو نے سچ کہا۔ پھر میں اپنی قوم کے ساتھ مسلمان ہوگیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق انہی عباس بن مرداس نے ضمار بُت کو آگ لگا کر جلا دیا تھا۔ (غایۃ الامانی فی الرّدّ علی النبہانی اردو ص۴۲ مصنفہ علامہ محمود شکری آلوسی)

مندرجہ بالا واقعات و اقتباسات سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ بے جان بتوں سے بھی آوازیں آتی تھیں۔ وہ اپنے عبادت گزاروں کو غیب کی خبریں بھی دیتے تھے جو بسا اوقات مہمل اور کبھی درست بھی ہوتی تھیں۔ یہ وہی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی حقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن نے یوں بیان فرمائی کہ یہ شیاطین یا رجال الغیب ملاء اعلیٰ یا تدبیر کائنات پر مامور فرشتوں سے کچھ باتیں سن پاتے ہیں۔ پھر اس حق میں کچھ باطل کی بھی آمیزش کر کے اپنے عبادت گزاروں تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ سب کام شیاطین کا ہے۔

۲- ہوتا تو وہی ہے جو اللہ کی مشیت میں ہے۔ لیکن ان غیب کی خبروں کی وجہ سے ان کے عبادت گزار یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا نفع نقصان ان شیاطین (آستانوں یا آستانے والوں) کے تصرف میں ہے۔

۰۷ امراء اور دنیا داروں کی درویشوں سے عقیدت

امراء اور عام دنیا دار دونوں طبقوں کو علماء و فقہاء سے زیادہ خلاف شرع پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اس لیے کہ علماء اطباء کی طرح ہیں اور دوا پر خرچ کرنا انسان کو بار محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ان پیروں اور قوالوں پر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسے گانے بجانے والی عورتوں پر خرچ کرنا۔ یہ بھی گانے والوں اور مداریوں کی طرح سامان تفریح پیدا کرتے ہیں۔

امام ابن الجوزی تلبیس ابلیس ص ۳۸۹ پر لکھتے ہیں:

"امراء اور دنیا دار لوگ بناوٹی زاہدوں اور تارک الدنیا درویشوں کے بہت جلد معتقد ہوتے اور علماء پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ لوگ اگر سب سے بڑے جاہل پر درویشی کا لباس دیکھ لیں تو فوراً اس کے معتقد ہو جائیں اور اگر وہ مصنوعی طور پر بھی خشوع و خضوع کا اظہار کرنے لگے تو ان لوگوں کو اس پر فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی اور کہتے ہیں کہ بھلا اس درویش اور فلاں عالم کا کیا مقابلہ؟ یہ تارک دنیا وہ طالب دنیا۔ درویش لوگ نہ اچھی غذا کھاتے ہیں نہ شادی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض جہالت اور شریعت محمدی کی تحقیر ہے کہ ایسے زہد کو علم پر ترجیح دی جائے۔ خدا کا بڑا احسان ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے ورنہ آپ کو شادیاں کرتے اور پاک و صاف چیزیں کھاتے میٹھے اور شہد سے رغبت کرتے ہوئے پاتے تو آپ سے بھی بداعتقاد ہو جاتے۔

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا۔ ایک عالم کو زاہد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے تم میں سے ایک ادنیٰ صحابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مجھے فضیلت ہے۔[1]"

تذکرے اور ملفوظات کا وجود

رہبانیت کے وجود کو بقائے دوام بخشنے کے لیے ایک طرف تو مزارات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا تو دوسری طرف ایسی تصانیف کا آغاز ہوا جو کسی "بزرگ" کی وفات کے بعد مرتب کی گئیں۔ جن میں رطب و یابس سب کچھ ہی شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد صرف کسی بزرگ کی کراماتوں کو بڑھا چڑھا کر اس کی بزرگی کی دھاک بٹھانا اور تصرف فی الامور کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی کتابوں کے غیر معتبر ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ **روایتی انداز**۔ ایسی کتابیں چونکہ مریدانِ خاص کی کوشش سے مرتب ہوتی اور بالعموم مریدوں کے مطالعہ کے لیے مرتب کی جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ عقیدت مندی کی وجہ سے کسی واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ان واقعات کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ "روایت ہے، نقل ہے یا آپ نے فرمایا۔" اس کے علاوہ وہ کسی سند کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے لہٰذا وہ غیر مستند ہوتی ہیں اور اگر کبھی اتفاق سے کہیں حوالہ کی ضرورت پڑ بھی جائے تو کسی ایسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے جس کا شرعی حیثیت سے کوئی مقام نہیں ہوتا۔

۲۔ **زندگی کا دوسرا پہلو**۔ ہر انسان کو، خواہ وہ نبی ہو، زندگی میں بے شمار ایسے مقام بھی آتے ہیں جب کہ وہ مشیت ایزدی کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ وہ پریشان بھی ہوتا ہے اپنی تکلیف رفع کرنے سے عاجز بھی ہوتا ہے جس کا اس کے پاس خدا کی ذات پر بھروسہ کے سوا کوئی حل نہیں ہوتا۔ ایسے تذکرے اس پہلو سے بالکل خاموش ہوتے ہیں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس ہستی کو ان کی آرزو کے عکس مکہ سے ہجرت کا حکم دیا جاتا ہے یا جنگ میں شکست نصیب ہو سکتی ہے یا دندانِ مبارک شہید اور آپ زخمی ہو سکتے ہیں۔ واقعہ افک میں ایک طویل مدت پریشان رہ سکتے ہیں، موت کے سکرات سے بے چین ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے مقامات پر خدا کی ذات پر بھروسہ کے سوا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ تو اور کون انسان ہوگا جو اپنی زندگی میں بے بس نہ ہو۔ لیکن ان تذکروں میں یہ پہلو بالکل مفقود ہوتا ہے۔

۳۔ **روایت میں اختلاف**۔ اگر ایک عقیدت مند کسی بزرگ کی ایک کرامت کو ایک رنگ

---

[1] یہ بحث بھی تفصیل سے آگے چل کر بیان ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پیش کرتے ہیں تو دوسرے عقیدت مند اسی بزرگ کی اس کرامت کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں جو مبالغہ آرائی کا ایک واضح ثبوت ہوتا ہے، مثلاً کتاب "سرچشمۂ ہدایت" کے مصنف عبدالعزیز قادری اس کتاب کے صفحہ ۷۶ پر حضرت ابراہیم بن ادہم کی ایک کرامت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"مشہور ولی اللہ ابراہیم ادہم جب بلخ کی حکومت چھوڑ کر فقیری اختیار کر چکے تو ایک دن دریا کے کنارے گدڑی سینے لگے۔ آپ کا (ایک سابقہ) وزیر پاس سے گزرا۔ عرض کیا یا حضرت! کہاں وہ شوکتِ شاہانہ اور کہاں یہ رنگ فقیرانہ۔ آپ نے سوئی دریا میں ڈال دی اور فرمایا۔ فوج کو بلا کر کہو کہ سب مل کر میری سوئی نکال لائیں۔ اس نے کہا یہ ممکن نہیں۔ آپ نے دریا پر نظر ڈالی۔ پانی کی سطح پر مچھلیاں تھیں اور ایک کے منہ میں وہ سوئی تھی۔"

اب اسی واقعہ کو حافظ احمدالدین چشتی اپنی تصنیف "قربانِ حق" (بنظرِ ثانی پروفیسر بشیرالدین احمد مطبوعہ قرآن سوسائٹی لاہور نے صفحہ ۹۶ پر اس طرح لکھتے ہیں:

"نقل ہے ایک بار آپ دجلہ کے کنارے بیٹھے تھے۔ ایک امیر آیا کہنے لگا۔ آپ نے بلخ کی شاہی چھوڑ کر کیا پایا (گویا آپ نے ناحق تکلیف اٹھائی) آپ نے سوئی دریا میں ڈال دی۔ ہزارہا مچھلیاں سونے چاندی کی سوئیاں منہ میں لیے ظاہر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اپنی سوئی چاہیے۔ فوراً ایک مچھلی آگے بڑھی اور وہ لوہے کی سوئی لے کر آئی۔ آپ نے لے لی۔ پھر اس امیر سے فرمایا "یہ خدا کا ادنیٰ احسان ہے جو تو نے دیکھا۔"

اب دیکھیے پہلے اقتباس میں سوال اور جواب کا ربط ہے اور کرامت بھی اتنی ہی بیان کی گئی ہے جو شافی جواب پر دلالت کرتی ہے اور بوقتِ ضرورت بعض دفعہ اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر بزرگوں سے ایسی کرامت کا اظہار فرما دیتے ہیں لیکن دوسرے اقتباس میں محض ایک "بہت بڑی کرامت" کا اظہار مقصود ہے۔ بیشتر باتوں کا نفسِ واقعہ سے کوئی تعلق بھی معلوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح ایک بزرگ حضرت اویس قرنی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیر التابعین کے لقب سے ارشاد فرمایا۔ مسلم شریف کی یہ روایت ہے۔ ہم مشکوٰۃ مترجم محشی عن فوائد عزتویہ سے مع ترجمہ اور حاشیہ کے نقل کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنَّ رَجُلًا یَأْتِیکُمْ من الیمن، یُقَالُ لَہٗ اُوَیْسٌ۔ لا یَدَعُ بالیمن غیر اُمٍّ لہ، قد کان بہ بیاضٌ فَدَعَا اللہَ فَاَذْھَبَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ الدِّیْنَارِ اَوِ الدِّرْھَمِ، فمن لَقِیَہٗ منکم فَلْیَسْتَغْفِرْ لَکُمْ"

روایت ہے عمر بن خطاب سے یہ کہ تحقیق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص آئے گا تمہارے پاس یمن سے، کہا جائے گا اویس۔ نہ چھوڑے گا یمن میں سوائے ماں اپنی کے، تحقیق تھی اس کے بدن میں سفیدی پس دعا کی اللہ تعالیٰ سے پس دور کیا اللہ نے اس کو مقدار ایک دینار یا درہم کے۔ پس جس کو کہ ملے اویس تم میں سے پس چاہیے کہ وہ بخشش طلب کرے تمہارے لیے۔"

وفی روایۃٍ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اِنَّ خیر التابعین رجلٌ یُقَالُ لَہٗ اُوَیْسٌ، ولہٗ والدۃٌ وکان بہٖ بیاضٌ فَمُرُوْہُ فَلْیَسْتَغْفِرْ لَکُمْ۔ (رواہ مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ کہا عمرؓ نے۔ سنا میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے "تحقیق بہترین تابعین ایک شخص ہے کہا جائے گا اس کو اویس، اور اس کے لیے ماں ہے اور تھے اس کے برص۔ پس حکم کرنا اس کو کہ استغفار کرے تمہارے لیے[1]"

اب کتاب سیرت حضرت خواجہ اویس قرنی مسمیٰ "الاویس" مصنفہ راشد اویسی مطبوعہ اویسیہ پبلشرز بلال گنج لاہور کی مبالغہ آرائیاں ملاحظہ فرمائیے: کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضورؐ کی

---

[1] استغفار کرے تمہارے لیے، اس حدیث سے اویس قرنی کی بڑی عمدہ فضیلت ثابت ہوئی۔ اویس قرنی تابعین میں ہے صحابی نہیں۔ ہر چند حضرت کے وقت میں موجود تھے لیکن ماں کی خدمت سے فرصت نہ پائی کہ حضرتؐ کے حضور میں حاضر ہوتے۔ اس حدیث سے اویس قرنی کی صحابہؓ پر فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ تابعی اصحاب سے افضل نہیں ہو سکتا۔ اور صرف دعا ثابت کرانے سے فضیلت ثابت نہیں ہوتی اس واسطے کہ خود حضرتؐ نے اپنے واسطے بعضے لوگوں سے دعا کروائی ہے بلکہ پانچوں وقت کی اذان میں تمام امت سے مقام محمود کے حاصل ہونے کے واسطے دعا کرنے کو فرمایا ہے (مشکوٰۃ ج ۴ ص ۵۳۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیارت کو گئے۔ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوگئے اور پوچھا حضورؐ کہاں ہیں اور کب آئیں گے، جواب ملا تبلیغ کو گئے ہیں اور ظہر کے وقت آئیں گے۔ آپ نے انتظار نہیں کی اور واپس چلے آئے اور حضرت عائشہؓ کو کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئیں تو میرا سلام عرض کر دینا۔ چنانچہ جب حضورؐ آئے تو حضرت عائشہؓ نے واقعہ بیان کیا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا "کیا تم نے اویس کو دیکھا ہے؟"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فرمایا۔ ہاں دیکھا ہے۔ جواب سن کر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تمام صحابہ کرام کو بلایا۔ سب کے سب موجود صحابہ کرام بلاوا سنتے ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے آپ نے فرمایا "میرے چہرے کی طرف دیکھو" سب نے حکم کی تعمیل کی اور آپ کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

"اویس قرنی نے عائشہ صدیقہ کی طرف دیکھا وہ بخشی گئی اور عائشہ صدیقہ نے میری طرف دیکھا میں بخشا گیا اور تم سب نے میری طرف دیکھا تم سب بخشے گئے" (صفحہ ۴۳)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ سب مومنوں نے مجھے دیکھا اور میں نے انھیں دیکھا مگر اویس نے نہ مجھے دیکھا ہے اور نہ میں نے ان کو" بارگاہِ الٰہی سے ارشاد ہوگا "آپ کو جو کوئی دیکھتا ہے میرے لیے اور جب مجھے دیکھ لیا جائے تو آپ سے نہ ملنے میں کوئی قباحت نہیں۔ (ایضاً ۴۳)

تیسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ "اہل تذکرہ کہتے ہیں کہ ہر پیغمبر کے زمانہ میں قطب ہوتے ہیں اور خواجہ اویس قرنی نبی کریمؐ کے زمانہ کے خصوصی قطب تھے۔ (صفحہ ۴۳)

چوتھے مقام پر فرماتے ہیں "جب حضورؐ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو صحابہؓ نے پوچھا آپ کا جبہ کس کو دیا جائے، فرمایا۔ اویس قرنی کو (ایضاً صفحہ ۴۴)

اب اسی حدیث کے راوی حضرت عمر بن خطابؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اویس قرنی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ آپ حضورؐ کے زمانہ میں، پھر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں پھر اپنے زمانہ میں تلاش کرتے رہے۔ ہر شخص سے جو عراق، مصر، شام اور یمن سے آتا۔ خواجہ اویس کے متعلق پوچھتے مگر سب بے سود۔ (ایضاً ۴۴)

اب حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو بھی ساتھ لے کر اس مہم کو سر کرنے کے لیے نکلتے ہیں بعض روایات کے مطابق آپ دونوں کوفہ کی طرف، بعض کے مطابق وادی نمرا اور بعض روایات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق وادی عرفات کی طرف گئے۔ وہاں اویس موجود تھے۔ نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر نماز جلد ختم کی۔ حضرت عمرؓ نے آپ کے ہاتھ کا نشان دیکھنے کے بعد دعا کی درخواست کی۔ اویسؒ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ امیر المومنین عمرؓ ہیں اور میں علی ابن ابی طالب ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضورؐ کا پیغام پہنچایا اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے لیے مغفرت کی دعا کریں اور ساتھ ہی جبہ مبارک حضورؐ والا پیش کیا۔ خواجہ نے جبہ لیا، سینے سے لگایا، چوما اور پاس رکھ لیا۔ پھر کچھ دوسری باتیں ہوتی رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جبہ مبارک پہن لیجیے اور دعا کیجیے۔ آپ نے جبہ سامنے رکھا۔ سجدہ میں گر گئے اور دعا کرنے لگے۔

"اے باری تعالیٰ یہ جبہ اس وقت تک نہ پہنوں گا جب تک ساری امت کو نہ بخش دے۔ حضورؐ نے، عمر فاروقؓ نے، حضرت علیؓ نے اور میں نے سب نے اپنا کام پورا کیا۔ اب تیرا کام باقی ہے"۔ غائبانہ آواز آئی۔ "امت بخش دی گئی ہے۔ جبہ پہن لیں۔ آپ خواجہؒ نے جواب دیا۔ "ساری امت کی بخشش چاہتا ہوں"۔ ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ آ گئے۔ دیکھتے ہیں کہ اتنی دیر کیوں کر دی۔ حضرت خواجہؒ نے آہٹ محسوس کی تو آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ "کاش! تم نہ آتے اور میں اس وقت تک جبہ نہ پہنتا جب تک ساری امتِ محمدیہ کو بخشوا نہ لیتا (ایضاً اقتباس از صفحہ ۴۷ تا ۵۳)

عقیدت اور مبالغہ آرائی کی حد دیکھی آپ نے۔ خواجہؒ کی نظر کرم کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی۔ پھر خود حضورؐ کی۔ پھر سب صحابہ کی بخشش ہو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے خلفائے راشدین آپ کی جستجو میں سرگرداں اور مہم کو سر کرنے نکلتے ہیں۔ پھر خواجہؒ اللہ سے ساری امت کی بخشش اس طور سے چاہتے ہیں کہ اگر نہ کی گئی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ نہ پہنیں گے۔

ایسے تذکرے پڑھ کر عوام یہ تو اندازہ کر نہیں سکتے کہ ان کرامات کی شریعت کے کون کون سے نصوص و احکام پر زد پڑ رہی ہے۔ البتہ ان خرافات کو حقیقت سمجھ کر سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے لگاتے اور انھیں بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کے حلقۂ دام کے اسیر بن جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ الحاقی مضامین اور جعلی تصانیف

پھر جن علمائے حق نے ایسے صوفیوں کے عقائد اور کتابوں پر اعتراض کیے، ان صوفیوں نے ان کی کتابوں میں اپنی طرف سے ایسے مضامین شامل کر دیئے جس سے دین طریقت کے نظریات کو تقویت پہنچ سکے۔ چنانچہ امام شعرانی خود اپنی کتابوں کے متعلق ایک دلچسپ اور عبرت انگیز تجربہ لکھتے ہیں۔ الاجوبۃ المرضیۃ میں فرماتے ہیں کہ:۔

میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعهود میں بعض حاسدوں نے ایسے مضامین شامل کر دیے جو مخالف شریعت تھے اور جامع ازہر وغیرہ میں ان کو خوب گشت کرایا۔ اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا صحیح اور محفوظ نسخہ علماء کے پاس بھیجا۔ جس پر بڑے بڑے علماء و مشائخ اسلام نے تقریظ و توثیق لکھی تھی۔ اس وقت ان کو ان الحاقی مضامین کی حقیقت معلوم ہوئی اور فتنہ فرو ہوا۔" اور حجۃ الاسلام امام غزالی کے متعلق بھی بعض علماء کا خیال ہے کہ بعض صوفی قسم کے لوگوں نے مستقل کتابیں تصنیف کر کے امام غزالیؒ کے نام سے منسوب کر دی ہیں۔ پھر ان کتب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت بھی کی جا چکی ہے، مثلاً المضنون به علی غیر اهله، المضنون به علی اهله، معارج القدس، مشکوٰۃ الانوار ایسی ہی بے اصل کتابیں ہیں جو امام غزالی کے دشمنوں اور بدخواہوں نے خود تصنیف کر کے ان کے نام منسوب کر دی ہیں۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۲ ص ۱۵۴)

واللہ اعلم بالصواب۔

ہمیں فریب کا یہ پہلو اس لیے اجاگر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اس کتاب میں آپ کو جا بجا ایسے صحیح العقیدہ اور مشہور متبع سنت اولیائے کرام کے ایسے اقتباس بھی ملیں گے۔ جن کا ان بزرگ حضرات کی طرف نسبت کرنا گوارا نہیں گزرتا ہے مگر چونکہ ان کے معتقدین اور کرم فرماؤں کی مہربانی سے یہ کتب چھپ کر متداول ہے۔ لہذا یہ اقتباسات درج کرنا ضروری معلوم ہوا۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی اپنی تصانیف غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب وغیرہ میں اتباع سنت پر بھی زور دیا گیا ہے اور کوئی چیز شرعی نقطۂ نگاہ سے قابل اعتراض نظر نہیں آتی۔ مگر جب ہم اخبار الاخیار مصنفہ عبدالحق دہلوی جیسے تذکرے دیکھتے ہیں تو آپ کی شخصیت بس خدا ہی نظر آتی ہے۔ کتاب ہذا میں چند ایک اقتباسات آپ خود بھی ملاحظہ فرمالیں گے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ شریعت مطہرہ کی تائید اور صوفیاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نظریاتِ باطل کی تردید میں یوں رقم طراز ہیں:

"اس طرح کا منقولہ شیخ کبیر یمنی کا ہو یا شیخ اکبر شامی کا ہمیں محمد عربی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین (ابن) عربی کا، صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص[1] سے، فتوحاتِ مدنیہ نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔" (مکتوباتِ امام ربانی، مکتوب ۱۰۰ جلد ۱ بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ از ابوالحسن علی ندوی)

مگر جب انہی حضرت مجدد الفِ ثانی رح کو ملفوظات اور تذکروں کے آئینہ میں دیکھتے ہیں کہ یہ بزرگ کچھ اور ہی شخصیت نظر آنے لگتے ہیں۔

(جاری ہے)

---

[1] ابن عربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے۔ اور فتوحات مکیہ بھی ابن عربی ہی کی تصنیف ہے۔ ابن عربی نے بہت سے باطل نظریات کو تصوف میں داخل کر دیا۔

ترجمان کے زرِ سالانہ میں اضافہ

قارئین سے پیشگی معذرت کے ساتھ گزارش ہے کہ روز بروز بڑھتی ہوئی گرانی کے پیش نظر پرچے کے جملہ اخراجات کے نرخ بڑھ گئے ہیں۔ اس لیے ہم مجبوراً ترجمان کے زرِ سالانہ میں اضافہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ اب فی پرچہ اور زرِ سالانہ کا حساب مندرجہ ذیل ہوگا۔

فی پرچہ: ۲/- روپے   زرِ سالانہ: ۲۰/- روپے

منیجر ماہنامہ ترجمان الحدیث

مرکزی دفتر: ۴۷۵ - شادمان کالونی، لاہور

© rasailojaraid.com